مولانا امتیاز علی خاں عرشی کا اسلوب

شہناز اختر
اسسٹنٹ پروفیسر اردو
کوئین میری کالج، لاہور

STYLE OF MAULANA IMTIAZ ALI KHAN ARSHI

Shehnaz Akhtar
Assistant Professor of Urdu
Queen Mary College, Lahore

Abstract

Maulana Imtiaz Ali Khan Arshi was a profound scholar of Arabic, Persian and Urdu. He penned on number of topics but his main claim to fame was his work on Ghalibyaat. He wrote in a style unique to him. He was admired as well as criticized for his style. This article focuses Arshi's style in detail.

Keywords:

امتیاز علی خان عرشی، میر، غالب، شیکسپیئر، تنقید، اسلوب، تحقیق کا فن، رام پور، رضا لائبریری، عربی، ترکی، سنسکرت، فارسی، اردو

مولانا امتیاز علی خاں عرشی، عربی، فارسی اور اردو کے عالم وفاضل، محقق ونقاد، ادیب وشاعر اور ماہر غالبیات ہونے کی بنا پر نمایاں مقام کے مالک تھے۔آپ نہ صرف بلند پایہ مقرر تھے بلکہ بہت عمدہ مصنف بھی تھے۔

عرشی محلّہ پھلوار، رام پور انڈیا میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم مدرسۃ العلوم رام پور سے حاصل کی۔ مولوی عالم کا امتحان پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ۱۹۲۳ء میں پاس کیا۔۱۹۲۴ء میں منشی فاضل پنجاب یونیورسٹی سے کیا۔ درجہ اولیٰ کا امتحان مدرسۂ عالیہ رام پور سے ۱۹۲۴ء میں پاس کیا اور ۱۹۲۶ء میں بطور پرائیویٹ طالب علم انٹرنس (انگریزی مضمون) میں پاس کیا۔۱۳ جولائی ۱۹۲۳ء میں ناظم کتاب خانۂ عالیہ ریاست رام پور (موجودہ رضا لائبریری) مقرر ہوئے۔نومبر ۱۹۳۳ء میں رام پور ہی میں شادی ہوئی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد عرشی صاحب نے اپنے ایک دوست کلیم نبی احمد خاں کے ساتھ مل کر ایک جرمن کمپنی کی ایجنسی لے کر پہلے لکھنؤ اور بعد میں رام پور میں تجارت کی لیکن نقصان اٹھانے کی وجہ سے یہ پیشہ ترک کر دیا۔کچھ دنوں تک ''ندوہ'' سے بھی وابستہ رہے لیکن مزاجی مطابقت نہ ہونے کی وجہ سے رام پور لائبریری میں پہلے ناظم لائبریری ملازم ہوئے اور بعد میں وہاں لائبریرین اور ڈائریکٹر کے عہدوں پر فائز رہے۔

جن دنوں عرشی صاحب ناظم لائبریری تھے، ان دنوں کلکتہ کے ریٹائر لائبریرین چیپ مین لائبریرین مقرر ہو کر رام پور آ گئے۔عرشی کو چیپ مین کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔انھوں نے جس محنت اور لگن سے لائبریری کے نظام کو درست کیا اس سے چیپ مین بے حد متاثر ہوئے اور یہ ساتھ دوستی میں بدل گیا۔چیپ مین کے ساتھ رہ کر ان کی انگریزی کی استعداد میں بے حد اضافہ ہوا کیونکہ ہر وقت انگریزی میں گفتگو کرنا اور رپورٹیں تیار کرنا پڑتی تھیں۔خدا بخش لائبریری پٹنہ کی کیٹلاگ سازی کا کام ہو رہا تھا۔اس کی فہرست کی ایک نقل چیپ مین کے پاس بہ غرض منظوری آتی تھی جسے وہ عرشی صاحب کے سپرد کر دیتے تھے۔عرشی صاحب رضا لائبریری کی کتابوں کی مدد سے رپورٹ کی غلطیوں کی نشاندہی کر دیتے تھے۔بعد میں رضا لائبریری کی کتابوں کی فہرست سازی میں یہ تجربہ کام آیا۔رضا لائبریری میں عرشی صاحب کو عمر خیام کی رباعیات کا ایک قیمتی نسخہ ملا۔انھوں نے چیپ مین کو دکھلایا اور انگریزی نثر میں رباعیات کا فارسی سے ترجمہ کر دیا، جسے چیپ مین نے انگریزی میں نظم کر کے (دی رام پور انتھالوجی) اپنے شعری مجموعے کا آغاز کیا۔شبیر علی خان شکیب لکھتے ہیں:

> ''غالباً یہ عرشی صاحب کی قابلیت اور دل نشیں انداز گفتگو ہی کا اثر تھا کہ چیپ مین مشرقی ادب کے اس درجہ گرویدہ ہو گئے کہ وہ اسے انگریزی ادب پر ترجیح دیتے نظر آتے ہیں، اس امر کا اظہار دیباچے کے ان الفاظ سے ہوتا ہے:
>
> ایک مشرقی شاعر اگر کسی معمولی چیز کو بھی اپنا موضوع سخن بناتا ہے تب بھی وہ ایسے الفاظ کا انتخاب کرتا ہے، جس کے لیے آپ کو ایک شیکسپیئر کی ضرورت پڑے گی تا کہ وہ ان سے بہتر کسی لفظ کا ہلکا سا تصور کر سکے۔''(۱)

عرشی صاحب اپنی لائبریری کی کتابوں کے نام ،موضوعات اوران کی خصوصیات سے باخبر رہتے تھے ۔یہی وجہ ہے کہ جب کوئی بیرونی ریسرچ اسکالر اپنے مقالے کی تیاری کے لیے رام پور آتا تھا عرشی صاحب متعدد کتابوں کی طرف راہنمائی کرتے جن سے مقالے کی تیاری میں بہت مدد ملتی ۔

عرشی صاحب کو چار بیت کا ذوق اپنے والد ڈاکٹر مختار علی خاں سے ورثے میں ملا تھا۔انھوں نے کچھ چار بیتیں نقل کروا کر رضا لائبریری میں جمع کروادی تھیں ۔وہ خود شاعر تو تھے لیکن ان کی شعر گوئی اپنے لیے تھی ۔وہ غزل کے شاعر تھے اور سادہ زبان میں صاف اور بامزہ شعر کہتے تھے ۔ان کی ایک غزل کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں جو ان کی وفات کے بعد ''تحریک'' رسالے کے ایک شمارے میں شائع ہوئے:

لبوں پہ شکوۂ ایام آ ہی جاتا ہے
کچھ اس طرح بھی تیرا نام آ ہی جاتا ہے
قفس میں راحت و آرام ڈھونڈنے والے
تڑپ تڑپ کے بھی آرام آ ہی جاتا ہے
نگاہِ لطف کی جرأت فزائیاں توبہ !
ہمارے ضبط پہ الزام آ ہی جاتا ہے
یہ اپنے ضبط کی خوبی تو دیکھنا عرشی
کہ ہوش ہم کو سرِ شام آ ہی جاتا ہے

مولانا عبدالسلام لکھتے ہیں:

''عرشی صاحب قدیم روایتی شاعری کو پسند کرتے تھے ۔ترقی پسند یا جدیدیت کی نمائندہ شاعری ان کا ذوق نہ تھی ۔ان کی تقریظیں ،تبصرے جو کچھ بھی ہیں ،میرے علم میں ان کا تعلق روایتی شاعری سے ہے ۔معاصر شعراء پر وہ جو تبصرے کرتے تھے ،اصرار یا مروّت کی بنا پر کرتے تھے اور لحاظ رکھتے تھے کہ وہ باعثِ ناراضی یا ناخوشی نہ ہوں اور ان کا یہ رویہ تحریر ،تقریر اور عام گفتگو میں بھی عام اور ان سے خاص تھا۔''(۲)

رام پور رضا لائبریری میں عرشی صاحب نے نظم ونسق کی درستی کے ساتھ ساتھ جلد بندی کی یکسانی کی طرف توجہ دی۔

مخطوطات اور مطبوعات کو الگ الگ کیا اور جدید اصول پر فہرست نگاری کا ڈول ڈالا۔تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے بالکل صحیح اور ضروری معلومات کی حامل فہرست کتنی ضروری ہے، اہل علم ان سے واقف ہیں ۔فہرست کی ترتیب ایک مشکل امر ہے جس پر عام ناظر کی نظر نہیں پہنچ سکتی اور وہ اس دیدہ ریزی اور محنت کو محسوس نہیں کرسکتا جو اس پر اٹھتی ہے ۔خصوصاً مخلوطات کی فہرست میں غیر معلوم الاسم اور غیر معلوم المصنف یا

غیر محقق کتابوں کے ناموں یا ہر دو کی تفتیش و تحقیق کے لیے اکثر پوری پوری کتاب پر نظر ڈالنا، دیگر فہرستوں سے اور دوسری کتاب حوالہ سے مدد لینا کافی دردسری ہے۔اس میں بعض اوقات کئی کئی دن لگتے ہیں اور بعض اوقات یہ ساری عرق ریزی دردِسری ثابت ہوتی ہے۔ترقیموں، دستخطوں اور مہروں کو پڑھنے کی کوشش خاصی محنت چاہتی ہے۔ پھر اندراج کا مرحلہ ان سب کے لیے علم، تجربہ، وقتِ فیصلہ، تحقیقی ذوق اور محنت درکار ہوتی ہے اسی لیے مغربی جامعات نے شرقیات کی فہرست نگاری پر ''علامہ'' کی سندیں پیش کر کے ان کے کاموں کو خراج تحسین ادا کیا ہے۔

غالبیات کے ماہر کی حیثیت سے تو عرشی صاحب کی شخصیت مسلم تھی لیکن دینی علوم کے حوالے سے بھی انھوں نے اپنی مساعی کو جاری رکھا اور تفسیر سفیان ثوری اور استناد نہج البلاغہ پر اپنی محققانہ آرا کو پیش کیا۔محمد نظر علی خاں لکھتے ہیں:

> ''عرشی صاحب کی ادبی حیثیت تو معروف ہے ہی لیکن ان کو دینی علوم میں بھی بصیرت حاصل تھی اور انہوں نے دینی و مذہبی تشخص کو (اس میں علمی و عملی دونوں حیثیتیں شامل ہیں) پوری طرح برقرار رکھا تھا اور اسے اپنی ادبی شخصیت میں ضم کیا تھا۔اس کے بعد شواہد ''تفسیر سفیان ثوری'' کی تحقیق اور اس پر نہایت مبسوط مقدمے اور ''استناد نہج البلاغہ'' جیسی عالمانہ محققانہ کتاب کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے۔''(۳)

مولانا امتیاز علی عرشی نہ صرف دینی علوم کے مباحث پر نظر رکھتے تھے بلکہ فلسفہ کے مختلف نظریات سے بھی آگاہ تھے۔گردش زمین و آسمان اور فلاسفۂ قدیم و جدید کی آرا اور موجود سائنس دانوں کے نظریات مع اصطلاحاتِ فلسفہ نہایت عمدہ طریقے سے بیان فرماتے تھے۔

انھوں نے ایف اے اور بی اے کی عربی کتب کے اردو تراجم کیے۔ابوالقاسم بن سلام ہروی بغدادی کا مختصر رسالہ ''کتاب الاجناس'' کے نام سے رام پور لائبریری میں موجود تھا۔عرشی صاحب نے اس وحید نسخے کے متن کی ''جوہری کی صحاح'' کی مدد سے تصحیح کی اور ضروری حواشی لکھے۔

''مکاتیب غالب'' (اصحاب رامپور کے نام) ۱۹۳۷ء میں پہلی بار طبع ہوئے۔یہ ۱۱۵ خطوط کا مجموعہ ہے۔عرشی صاحب نے انھیں چھاپ کر ادبی دنیا میں ہمیشہ کے لیے امر کر دیا۔مالک رام لکھتے ہیں:

> ''یہ خطوط ستر پچھتر برس سے کتاب خانۂ رام پور میں پڑے تھے لیکن کسی نے ان کی طرف توجہ نہ کی اور میرا ذاتی خیال ہے کہ اچھا ہی ہوا کہ ان کی طرف کسی کا دھیان نہیں گیا ورنہ کوئی ''اناڑی ڈاکٹر'' انہیں غلط سلط چھاپ دیتا اور یوں یہ ہمیشہ کے لیے غارت ہو جاتے۔عرشی صاحب نے انہیں زندۂ جاوید کر دیا اور پھر جس اہتمام سے یہ کتاب شائع ہوئی وہ اردو طباعت میں سنگ میل کا درجہ رکھتی ہے اور اس پہلو سے اگر کوئی کتاب اس کا مقابلہ کر سکتی ہے تو وہ عرشی ہی کا شائع کردہ ''انتخابِ غالب'' ہے۔اردو میں اتنی حسین کتاب آج تک شائع نہیں ہوئی۔''(۴)

''انتخاب عالم'' (فارسی واردو کلام) ۱۹۴۳ء میں طبع ہوئی۔

''فرہنگ غالب'' (غالب کے اپنے الفاظ میں) رام پور سے ۱۹۴۷ء میں طبع ہوئی۔اس میں فارسی، عربی، ترکی، سنسکرت، ہندی اور اردو لغات کی تحقیق وتشریح دی گئی ہے۔

''دیوانِ غالب (اردو)'' علی گڑھ سے ۱۹۵۸ء میں طبع ہوا۔اس کا دوسرا ایڈیشن دہلی سے ۱۹۸۲ء میں اور تیسرا ۱۹۲۱ء میں لاہور سے طبع ہوا۔

سبد باغ دودر

انجمن ترقی اردو کراچی پاکستان سے ۱۹۴۹ء میں طبع ہوئی تھی۔''مسودۂ قاطعِ برہان'' کو دیکھنے سے معلوم ہوا کہ غالب نے قاطع برہان میں اپنے تمام اعتراض شامل نہیں کیے اور حسب ضرورت اس کی زبان وغیرہ میں بھی تبدیلی کی تھی۔اس کتاب میں تمام حواشی وغیرہ کو جمع کر کے ان پر تبصرہ اور محاکمہ کیا گیا۔''دیوان مومن'' کی ترتیب وتدوین بھی دیوانِ غالب نسخۂ عرشی کی نہج پر کی گئی ہے۔

فہرست مخطوطات اردو (کتاب خانۂ رضا رام پور)

یہ فہرست کئی جلدوں میں ہے جو غیر مطبوعہ ہے۔

دیوان غالب فارسی (نسخۂ عرشی) عرشی صاحب کو اس کی تکمیل کا موقع نہ ملا۔مقدمہ کلام غالب کا مسودہ خطِ عرشی ہے۔غالب اکیڈمی نئی دہلی میں محفوظ ہے۔

ترجمۂ مجالسِ رنگیں

مشہور ریختی گو شاعر رنگیں کی فارسی کتاب کا اردو ترجمہ ۱۹۴۲ء میں رامپور کے اخبار ''ناظم'' میں بالاقساط شائع ہوتا تھا۔حواشی اور مقدمے کے ساتھ شائع کرنے کا اہتمام ہوا۔

سلک گوہر از انشاء

میر انشاء اللہ خان انشاء کی ایک کہانی جو صنعتِ مہملہ (غیر منقوط) میں لکھی گئی ہے، اس کا خطی نسخہ رضا لائبریری رام پور میں تھا جس کو مقدمے کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

کہانی رانی کیتکی از انشاء

میر انشاء اللہ خان کی مشہور کتاب کا دوسرا ایڈیشن ہے جسے مولانا عرشی نے دو خطی نسخوں کی مدد سے مرتب کیا تھا۔یہ کتاب انجمن ترقی اردو پاکستان کی طرف سے شائع ہوئی جس میں غلطی سے مرتب کی جگہ مولوی عبدالحق کا نام چھپ گیا تھا۔

تاریخ محمدی

فارسی میں اس تاریخی دستاویز کی دوسری جلد کا چھٹا حصہ امتیاز علی خاں عرشی نے تصحیح وتحشیہ کے بعد شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ سے شائع کیا۔متن پر ۸۷ صفحات کے تعلیقات کا اضافہ ہے۔ان تعلیقات کی ترتیب میں اہم منابع سے استفادہ کیا گیا ہے۔

اگر چہ عرشی صاحب کا محبوب موضوع غالبیات ہے لیکن اردو زبان وادب پر بھی ان کی گہری نظر تھی۔ اس کے ثبوت میں ''دستور الفصاحت'' کو پیش کیا جا سکتا ہے جسے انھوں نے ۱۹۲۳ء میں مرتب کیا تھا۔ یہ کتاب ۱۲۱۳ھ سے پہلے سید احمد علی یکتا (خلف سید احمد علی لکھنوی) نے لکھی تھی۔ اس میں صرف ونحو، عروض وقوافی، معانی، بیان اور بدائع پر مفید مباحث ہیں، جن کا علم اردو کے ہر طالب علم کے لیے ضروری ہے۔ انھوں نے بتایا کہ یہ کتاب انشاء کی ''دریائے لطافت'' کی طرح دلچسپ تو نہیں لیکن جہاں تک فن کی افادی حیثیت کا تعلق ہے اس سے کسی طرح کم بھی نہیں۔ صباح الدین عبدالرحمٰن لکھتے ہیں:

> ''اس دیباچے کا بہت ہی اہم حصہ وہ ہے جہاں انہوں نے فارسی اور اردو تذکروں سے متعلق پُرمغز اور مفید قیمتی معلومات بہت سی کاوش و علمی بصیرت سے فراہم کی۔''(۵)

عرشی نے شاہ عالم ثانی کے اردو، فارسی اور ہندی کلام کے مجموعے کو ''نادراتِ شاہی'' کے نام سے شائع کیا اس کے دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی تاریخ بھی انھیں پسند تھی۔ ''کتاب الاجناس'' میں ابوعبید القاسم نے مختلف معنی والے کئی سو الفاظ کو جمع کیا ہے۔ مولانا عرشی نے الفاظ کی تصحیح کرنے کے بعد بہت سے مختلف معنی والے الفاظ کا اضافے کے ساتھ شائع کیا۔

خان آرزو کی نوادر الالفاظ میں عورتوں کے مخصوص محاوروں اور الفاظ کی فہرست ہے۔ سعادت یار خان رنگین کے دیوانِ ریختی میں چند الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ یہ سارے الفاظ موجود ہیں۔ عرشی نے دیوان ریختی اور نوادر الالفاظ کی تشریحات کو سامنے رکھ کر اختلافِ نسخ اور تحقیقی حواشی کے ساتھ ''محاوراتِ بیگمات'' مرتب کی۔ ''اردو اور افغان'' وہی مقالہ ہے جو انھوں نے جامع ملیہ اسلامیہ دہلی کے جشن کے موقع پر ۱۹۴۶ء میں ''اردو پر پشتو کا اثر'' کے عنوان سے پڑھا تھا۔

امام سفیان ثوری کی ''تفسیر القرآن الکریم'' کا سورہ البقرہ سے سورہ الطور تک کا نامکمل مخطوطہ دریافت کر کے پورے اہتمام اور حواشی کے ساتھ شائع کیا۔ عہد اکبری کے ایک درباری کی لکھی ہوئی ''تاریخ اکبری'' میں اکبری عہد کے حالات موجود ہیں جس کا دوسرا نسخہ کیمبرج میں ہے۔ مولانا عرشی نے دونوں نسخوں سے متن تیار کیا ہے اور حواشی کے بعد ۱۹۶۲ء میں طبع کیا ہے۔ مولانا عرشی کے بہت سے مطبوعہ مضامین کتابی صورت میں جمع نہ ہو سکے۔

امتیاز علی عرشی کی تصانیف تخلیقی، تنقیدی، تحقیقی اور تعارفی ہیں۔ تحقیق کے لیے خالص علمی و تحقیقی مزاج کی ضرورت ہوتی ہے یہاں صرف پڑھا لکھا ہونا کافی نہیں ہوتا۔ مولانا عرشی ایک خاص مزاج لے کر پیدا ہوئے چنانچہ انھوں نے نام ونمود سے دور رہ کر تحقیق وتدوین کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔ انھوں نے اردو، فارسی اور عربی پر یکساں قدرت رکھنے کی وجہ سے ان تینوں زبانوں میں لکھی گئی پرانی کتابوں کو تلاش کر کے نئے طرز اور نئے انداز سے شائع کیا۔ مولانا عرشی اپنی تحریروں سے خاص طور پر متون پر حاشیہ آرائی اور تدوین کے بلند معیار کی وجہ سے صفِ اول کے محققین میں جگہ پاتے ہیں۔

مولانا عرشی کا مرتب کردہ دیوان ان کی شہرت کو چار چاند لگانے کے لیے کافی ہے۔اس دیوان کو عرشی نے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصے میں غالب کے ابتدائی دور کے اشعار ہیں دوسرے حصے میں غالب کا شعری اثاثہ ہے جو متعدد بار چھپ چکے ہیں جب کہ اس دیوان کے تیسرے حصے میں وہ کلام ہے جو ان کے دیوان کے کسی نسخے کے حاشیے، خاتمے اور کسی خط کے بیان میں ملا یا ان کے نام سے کسی رسالے میں شائع ہوا۔

عرشی صاحب غالب پر کچھ تحریر کرتے تھے تو اس کے دوران میں غالب کے اشعار یا اقوال کو بڑی خوب صورتی سے پیش کرتے تھے۔جس طرح غالب خود خطوط سے حظ اٹھاتے تھے اور دوسرے کے لیے سامان انبساط پیدا کرتے تھے عرشی بھی غالب کی تحریروں کو پیش کر کے خود بھی لطف اٹھاتے اور دوسروں کے لیے بھی مسرت اندوز ہونے کے مواقع پیدا کرتے۔ان کا یہ انداز و اسلوب صرف غالب کی تحریروں سے مخصوص ہے۔ مولانا عرشی کی تحریروں میں سادگی اور شگفتگی کے ساتھ ساتھ دلکشی اور تاثیر ہوتی ہے۔ان کی تحریر مدلل، عالمانہ وفاضلانہ ہوتی ہے۔مقدمات اور دیباچوں میں ان کی تحریر کی دلکشی کا الگ انداز ہوتا ہے۔

''نسخۂ عرشی''، تحقیق وتدوین کا بہترین مجموعہ ہے۔مولانا عرشی نے اس کے جس جس پہلو پر دادِ تحقیق دی ہے، اسے روشن کر دیا ہے۔اس کا قابلِ تحسین حصہ ''یادگارِ زمانہ'' کے تحت آنے والا کلام ہے۔''نوائے سروش'' (متداول دیوان) تو سامنے کی بات ہے۔''گنجینۂ معنی'' کے ماخذ میں نسخۂ بھوپال اور ''بیاض غالب بخطِ غالب'' تو ان کے دیکھے ہوئے ہیں۔''نسخہ شیرانی'' کی عکسی اشاعت بھی مل جاتی ہے۔''یادگارِ نالہ'' کے تحت آنے والے منتشر اور متفرق کلام کو جمع کرنا اور اس کی ترتیب وتدوین عرشی کا ایک بڑا ادبی کارنامہ ہے۔ماخذ سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے کیسی کیسی نادر و نایاب کتابوں سے مدد لی ہے۔اس سلسلے میں ان کا لائبریرین ہونا کام آیا ہے۔ اس کام کے لیے جو محنت، کاوش اور ریاضت انھوں نے کی ہے وہ کسی اور کے بس کا کام نہیں۔اختلافِ نسخ اور حواشی کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں۔اس کا مقدمہ الگ سے ایک مستند تصنیف کا درجہ رکھتا ہے۔اس میں غالب کی زندگی کے ایسے ایسے پہلو بیان کیے گئے ہیں جو اس سے پہلے پس پردہ تھے۔رشید حسن خان لکھتے ہیں:

> ''مولانا امتیاز علی خاں عرشی کے مرتب کیے ہوئے ''دیوانِ غالب'' کے مقدمے کو اور انہی کے مرتب کیے ہوئے خطوط غالب کے مجموعے ''مکاتیب غالب'' کے مقدمے کو بطور مثال پیش کیا جاسکتا ہے کہ مقدمے میں کیا ہونا چاہیے اور اس کے مباحث کا تعین اور ترتیب کیسی ہونی چاہیے۔''(۶)

متن کے ساتھ ساتھ غالب کے کلام کی تاریخی ترتیب کے تعین کی کوشش کی گئی ہے۔غیر متداول اور قلم زد کلام کی جمع آوری اور ترتیب اس کے علاوہ ہے۔ امتیاز علی عرشی دیوانِ غالب کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

> ''مدرسۂ عالیہ میں ہر انگریزی مہینے میں ایک بار اتوار کے دن مجلسِ مشاعرہ کا انعقاد طے ہوا، اور شعرای کلکتہ اردو فارسی کی غزلیں پڑھنے کے لیے جمع ہونے لگے۔میرزا صاحب اس مجلس

کے کتنے مشاعروں میں شریک ہوئے،اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ہمیں صرف اتنا معلوم ہوسکا ہے کہ اس محفل نے میرزا صاحب کے چاروں طرف ایک حلقۂ حساد پیدا کر دیا تھا؛ جس نے ان کے کلام پر قتیل وواقف کے قواعد واصول کے تحت اعتراض کیے۔میرزا صاحب نے مجبوراً ان بزرگوں کی ادبی کم مائیگی کا اظہار کیا اور اہل ایران کے کلام سے حجت پیش کی۔اس سے آگ اور بھڑکی۔''(دیوان غالب نسخۂ عرشی ص ۴۴)

مولانا امتیاز علی عرشی کے اسلوب میں ادبیت کم ہے لیکن ان کی علمی سنجیدگی جھلکتی ہے۔''حلقۂ حساد'' کی جگہ اگر'' حاسدوں کا حلقہ'' کہا جاتا تو زیادہ قابل فہم ہوتا۔مرزا کی جگہ ''میرزا'' لکھنا لفظی اشتقاق کو ظاہر کرتا ہے۔ اضافت یائے معروف ہے''شعرای کلکتہ'' لکھنا ایرانی انداز ہے جو اردو کے خلاف ہے۔سکتہ کا استعمال زیادہ ہے جس کی وجہ معنی کو واضح کر کے پیش کرنا ہے اور ان کے سیدھے پن کا اظہار ہے۔ڈاکٹر انوار احمد لکھتے ہیں:

''اردو تحقیق میں ہر بزرگ کی ریاضت اور مرتبے کے احترام کے باوجود میں یہ عرض کروں گا کہ مولانا امتیاز علی خاں عرشی کے اسلوب کی پیروی سے جہاں تک ممکن ہو، ادبی تحقیق کے طالب علموں کو بچنا چاہیے۔مجلس ترقی ادب لاہور نے مقالات عرشی کے عنوان سے جو کتاب شائع کی ہے اس میں سے دو مقالات ''زرنوجی کا نظام تعلیم وتعلم' اور ''مولانا آصفی اور ان کی شاعری'' کے بارے میں تبصرے کی جسارت کروں گا۔اوّل الذکر مضمون کے تین اوراق کے بعد کہیں جا کر یہ پتا چلتا ہے کہ ''زرنوجی'' کسی عالم کا نام ہے جو تعلیم کے بارے میں ایک رسالے کے مصنف ہیں۔

''کوئی علم اور کسی طرح کی صنعت ہو۔اس کی تاریخ ترقی میں سے اسلامی عہد کا ہدف بام علم کی سیڑھی کا اہم زینہ توڑ دیتا ہے۔''(۷)

''دوسرے مضمون کا پیرایہ بھی یہی ہے البتہ اس میں مانوس الفاظ اور کلمات اور رقت کی کثرت ہے۔عرشی صاحب نے محمد حسین آزاد کے انداز کو اپنایا ہے۔کم مایہ اپنی روشن طبع سے کامیاب ہوجاتے ہیں.....یہ اہل فضل کی جراحتِ دل پر نمک پاشی کا کام کرتا ہے۔ابتدا صرف کرتے ہیں لیکن تا بہ کے۔آخر کار ناقدر شناسی،سفلہ پروری اور جوہر کشی کی شکایت کا آغاز ہوتا ہے..... یہ غرور نہیں خودداری ہے حسد نہیں رشک ہے۔''(۸)

شخصی ضمیروں سے بچنا چاہیے لیکن امتیاز علی خاں عرشی کے ہاں اس کا استعمال کثرت سے ہے۔وہ لکھتے ہیں:

- ''میری کوشش تو یہی رہی (دیباچہ ص ۲۷)
- میں نے انجمن ترقی اردو (ہند) کے اجلاس ناگپور سے واپسی میں خاص اس نسخے کو دیکھنے کے لیے بھوپال میں قیام کیا۔(دیباچہ ص ۷۵)

– اس نسخے کے اشعار میں خود نہیں گن سکا۔ (ص ۱۱۳)

– یہ ۵ اپریل ۱۹۶۹ء کو بھوپال میں دریافت ہوا اور یکم مئی ۱۹۶۹ء کو مجھے اس کے مطالعے کا موقع ملا۔ (نسخۂ عرشی طبع دوم، دلی ۱۹۸۲ء، ص ۷۹)

مولانا امتیاز علی خاں عرشی کی تحریر آرائش اور مبالغے سے بہت حد تک پاک ہوتی تھی۔ آپ سیدھے سبھاؤ اپنی بات کا اظہار کر دیا کرتے تھے۔ آپ کی تحریر میں تناقض و تضاد نہیں ہے۔ تشبیہ و استعارہ کا استعمال صرف وہاں ہے جہاں اس کی ضرورت ہے وگرنہ حقیقت پسندانہ اور معروضی لہجہ موجود ہے۔ عرشی نے استدلالی انداز اختیار کیا ہے۔ قاری پر اپنی رائے ٹھونسنے کی بجائے بہت کچھ سادہ اور صاف طریقے سے اس کے سامنے رکھ دیا اور اس کی صوابدید پر فیصلہ چھوڑ دیا اور کم سے کم الفاظ میں پڑھنے والے پر اپنا مقصد واضح کرنے کی سعی کی۔

امتیاز علی خاں عرشی چونکہ رام پور رضا لائبریری سے متعلق تھے اس لیے ہر قسم کی کتابیں ان کے ہاں سب سے پہلے آتی تھیں اور نظر سے گزرتی تھیں۔ انھیں مصنفین اور کتابوں کے نام بخوبی یاد رہتے تھے۔

امتیاز علی خاں عرشی نے مقالے میں مخففات استعمال کیے ہیں۔ دیوان غالب اردو کی تدوین کے دوران انھوں نے دیوان کے چودہ نسخوں کو مخفف کے تحت استعمال کیا۔ انھوں نے لفظ قلمی کے ق میں ابجد کے حرف جوڑ کر نسخۂ بھوپال کو ق نسخۂ شیرانی کو قا، نسخہ رام پور کو قب اور نسخۂ لاہور کو قج کہا ہے۔

امتیاز علی خاں عرشی نے علمی جارگن کا استعمال بہت کم کیا ہے۔ جہاں ضرورت ہوئی وہاں غیر اصطلاحی لفظ لکھنے سے دریغ نہ کیا۔ اردو میں سب سے زیادہ تحقیقی جارگن قاضی عبدالودود نے استعمال کیے ہیں۔

امتیاز علی خاں عرشی کے مقالوں کا عنوان بھڑک دار نہیں ہوتا تھا بلکہ موضوع کے مطابق عنوان منتخب کرتے تھے۔ مثلاً دیوان غالب اردو نسخۂ عرشی، مکاتیب غالب (اصحاب رام پور کے نام) انتخاب غالب، فارسی و اردو کلام، فرہنگ غالب وغیرہ۔

امتیاز علی خاں عرشی لفاظی و افسانہ طرازی کی بجائے واقعات کو بلا کم و کاست تحریر کر دیا کرتے تھے۔ دیوان غالب اردو نسخۂ عرشی کے دیباچے میں غالب پر انھوں نے مبسوط مقالہ تحریر کیا ہے اور تدوین کے حوالے سے مشکلات قلمبند کی ہیں۔

مولانا عرشی نے اپنے اسلوب میں قطعیت، سادگی اور اختصار جیسی خصوصیات کو ملحوظ رکھا۔ ان کے ہاں زور بیان کے ساتھ فکری قطعیت اور استدلالی نقطۂ نظر موجود ہے لیکن کہیں کہیں عربی کے بھاری بھرکم الفاظ کی وجہ سے غرابت پیدا ہو گئی ہے۔

مولانا امتیاز علی خاں عرشی کی رائے سے اختلاف کیا جا سکتا ہے۔ ان کے علمی، ادبی اور تحقیقی کاموں پر تنقید کی جا سکتی ہے۔ لیکن اردو ادب میں ان کا جو مقام و مرتبہ ہے اس سے اغماض نہیں برتا جا سکتا۔ انھوں نے اردو ادب کو تحقیق اور تدوین کے سلسلے میں جو اصول و ضوابط دیے، بعد میں آنے والے محققین اور مدونین انھی کو

اپنا کر تحقیق وتدوین میں نام کما سکتے ہیں۔ڈاکٹر اسلم پرویز کی یہ رائے شائد امتیاز علی خاں عرشی کے حوالے سے ہمارے سامنے نئے در کھولے:

''ضروری نہیں کہ اعلیٰ پائے کی تدوین آپ کے سامنے صرف خشک اور بے مزہ موضوعات کا انبار لگاتی ہو، وہ مذاق ادب کے نئے دبستان بھی کھولتی ہے۔''(۹)

مولانا عرشی کا تعلق رام پور کے نادر روزگار کتب خانے سے تھا۔انھوں نے سرسری اس جہاں سے گزرنے کی بجائے ہر جا جہانِ دیگر کی تلاش میں اپنی عمر صرف کی۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) شبیر علی خاں شکیب، عرشی صاحب ، کچھ یادیں ، کچھ باتیں ،بشمولہ امتیاز علی عرشی، ادبی وتحقیقی کارنامے، مرتبہ پروفیسر نذیر احمد، نئی دہلی، غالب انسٹی ٹیوٹ، دسمبر ۱۹۹۹ء، ص ۲۲

(۲) مولانا عبدالسلام، عرشی صاحب : جیسا میں نے پایا اور جانا ،مشمولہ غالب نامہ، مولانا امتیاز علی عرشی نمبر، نئی دہلی، غالب انسٹی ٹیوٹ، جنوری ۱۹۹۲ء، ص ۱۱۳

(۳) محمد نظر علی خاں، عرشی صاحب ، مشمولہ مولانا امتیاز علی عرشی، ادبی وتحقیقی کارنامے، مرتبہ پروفیسر نذیر احمد، نئی دہلی: غالب انسٹی ٹیوٹ، ۱۹۹۹ء، ص ۲۳۸

(۴) مالک رام، نذر عرشی ،مرتبہ مالک رام ومختار الدین احمد، نئی دہلی، مجلس نذر عرشی، دسمبر ۱۹۶۵ء، ص ۱۹_۲۰

(۵) سید صباح الدین عبدالرحمٰن، عرشی صاحب ،بشمولہ نذر عرشی مرتبہ مالک رام ومختار الدین احمد، نئی دہلی: مجلس نذر غالب، ص ۳۷

(۶) بحوالہ گیان چند جین، تحقیق کا فن ، پاکستان، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۲ء، ص ۳۳

(۷) بحوالہ ڈاکٹر عطش درانی، اصول ادبی تحقیق وتکینکی امور، لاہور: نذیر سنز ایجوکیشنل، ۱۹۸۹ء ص ۴۴۲

(۸) بحوالہ گیان چند، تحقیق کا فن ، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۱۱ء، ص ۲۵۹

(۹) ڈاکٹر اسلم پرویز، متنی تنقید اور نسخۂ عرشی ،مشمولہ مولانا امتیاز علی خاں عرشی نمبر، نئی دہلی، غالب انسٹی ٹیوٹ، ۱۹۹۲ء، ص ۲۲۱